



## هُوَ أَبُو عَذْرَه

### مفتی منیب الرحمن

آپ کو نامانوس ساعنوان پڑھ کر یقیناً حیرت ہوگی۔ دراصل عربی میں کنواری عورت کو ”عذراء“ کہتے ہیں، جسے انگریزی میں Virgin کہا جاتا ہے۔ جو شخص کسی کنواری خاتون سے شادی کرے، اُسے عربی زبان میں ”هُوَ أَبُو عَذْرَه“ کہتے ہیں، یعنی اُس نے کنوارے پن کا ازالہ کیا اور کرکٹ میں جس بالر کے کسی اور میں بیٹسمین کوئی رنز نہ بنا سکے، اُسے Maiden کہتے ہیں، یعنی اُسے بھی کنوارے پن سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جنگلوں اور بیابانوں میں راستے بنے ہوئے نہیں ہوتے، ہر مسافر کو اپنا راستہ بنانا ہوتا ہے، اسی طرح برف سے ڈھکے ہوئے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر جو پگھڑی ہوتی ہے، وہ برف تلے چھپ جاتی ہے اور مسافر ذرا سی پھوک یا بے احتیاطی کے سبب گہری کھائی میں جا گرتا ہے۔ الغرض جس پگھڑی یا راستے پر پہلے کوئی نہ چلا ہو، اُسے عربی میں ”طَرِيقُ عَذْرَاء“ یعنی کنواریاں راستہ کہتے ہیں اور جو پہلاراہی اُس پر چلے اور راستہ بنائے، اُسے عربی میں ”هُوَ أَبُو عَذْرَه“ کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جو راستہ چلتے چلتے پختہ ہو گیا ہو، اُسے ”طَرِيقُ مَوْطُونَةٍ“ یعنی ”روندا ہوا راستہ“ کہتے ہیں۔ عربی کے مشہور ادیب حریری اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: میں نے اپنی کتاب ”مقامات حریری“ میں دوسروں کے صرف دو اشعار لکھے ہیں اور دوشعروں پر تضمین کی ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام اشعار میرے اپنے ہیں، سو وہ اُن کے بارے میں لکھتے ہیں: ”فحاشطَرِيقُ أَبُو عَذْرَه“، یعنی وہ تمام اشعار میری اپنی جودت فکر کا نتیجہ ہیں، میری اپنی تخلیق ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے ذہن میں اس جیسا خیال نہیں آیا۔ عربی کے مشہور شاعر تنبلی اپنے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اُس کے موزے یعنی کھر گھسے ہوئے یا پھٹے ہوئے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ طویل سفر طے کرنے اور نئے نئے راستوں پر چلنے کا عادی ہے، وہ بھی ”طَرِيقُهَا عَذْرَاء“ کے کلمات استعمال کرتے ہیں، عربی میں ”طَرِيقُ“ راستے کو کہتے ہیں۔ سو آج ہمارے بدعنوانوں سے آلودہ اس فرسودہ نظام کو بدلتے اور جڑ سے اکھیڑنے کا کام جو شخص انجام دے گا، بجا طور پر اُس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے: ”هُوَ أَبُو عَذْرَه“۔

پہلے سے قائم استحصالی نظام برقرار رکھنے کو ہماری سیاسی اصطلاح میں ”Status quo“ کہتے ہیں اور تبدیلی کی راہ میں مزاحم قوتوں کو بھی ”Status quo“ کی حامی یا مراعات یافتہ طبقہ (Privileged class) کہا جاتا ہے۔ وہ تبدیلی کی مزاحمت اس لیے کرتے ہیں کہ کسی بھی تبدیلی کی صورت میں اُن کے مفادات پر زد پڑے گی اور استحصال پر مبنی نظام پر اُن کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ انبیائے کرام کو بھی ہر دور میں اس طبقے کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (1): ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے: آؤ اُس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور (آؤ) رسول کی طرف، تو کہتے ہیں: ہمیں وہی (شعار زندگی) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ اُن کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں، (المائدہ: 104)۔“

(2): ”اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں، تو کہتے ہیں: ہم نے انہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے، آپ کہیے: بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں



ہے، (الاعراف: 28)۔“

(3): ”اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن کے آگے تم (عبادت کے لیے) آسن جمائے رہتے ہو، انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا، انہوں نے کہا: بے شک تم اور تمہارے باپ دادا اکلے گمراہی میں تھے، (الانبیاء: 54-52)۔“ الشعراء آیت: 84، لقمان، آیت: 31، الزخرف، آیت: 23-22 میں اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے۔

الغرض حق آشکار ہونے کے باوجود ہر دور کے باطل پرستوں کے پاس ایک لگی بندھی دلیل ”دین آباء“ کی تھی اور آباؤ اجداد پر تفاخر اُن کا شعار تھا، یہی ان ادوار کا Status quo تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسی بت پرکاری ضرب لگائی اور فرمایا: ”اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نحوّت اور نسبی تفاخر کو مٹا دیا ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے، پھر آپ نے سورہ حجرات کی آیت: 13 تلاوت فرمائی۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا: ”سنو! عہد جاہلیت کے سودی مطالبات، (نسل در نسل جاری رہنے والی) خونی انتقام کی روایت، اپنی نسبی برتری پر فخر و مہابا (Arrogance) اور زمانہ جاہلیت کے مالی مطالبات کو میں آج اپنے قدموں تلے پامال کر رہا ہوں (لہذا ان سب چیزوں کو اب قصہ پارینہ سمجھا جائے)، (سُبُلُ الْهُدَى وَالرَّشَادِ فِي سَبِيلَةِ خَيْرِ الْعِبَادِ، ج: 5، ص: 642)۔“

لیکن آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں، وہ ماضی کی ان امتوں کی اقدار سے مختلف ہے۔ وہ لوگ یقیناً گمراہ، کٹخت، اڑیل اور ضدی تھے، مگر اُن میں منافقت اور دوغلا پن نسبتاً کم تھا۔ چنانچہ ابوسفیان جب قیصر روم کے دربار میں پہنچے، تو بادشاہ نے اُس سے مدعی نبوت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت جاننے کے لیے متعدد سوالات کیے، جن میں سے ایک یہ تھا: کبھی انہوں نے جھوٹ بولا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ ابوسفیان اُس وقت تک رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالفین کا سردار تھا۔ وہ عداوت کے جذبے سے مغلوب ہو کر العیاذ باللہ! کہہ سکتا تھا کہ وہ جھوٹے ہیں، مگر اُسے اپنے وقار اور منصب کا پاس تھا، سو اُس نے شدید عداوت کے باوجود ایسا نہیں کیا۔ اس لیے یہ لوگ یا تو حق سے ٹکرا کر فنا ہو گئے اور یا حق آشکار ہونے کے بعد اُس کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور آج بھی تاریخ اُن کے اس دوسرے طبقے کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ علامہ اقبال نے چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے بعد اُن کی قلب مابیت اور حق کے آگے سرنگوں ہونے کے بارے میں کہا تھا:

تو نہ مٹ جائے گا، ایران کے مٹ جانے سے نہ تعلق نہیں، پیمانے سے  
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے پاساں مل گئے، کعبے کو صنم خانے سے

لیکن موجودہ دور میں ”Status quo“ کی قوتیں انتہائی عیار، مطلب برابر، منافق اور ابن الوقت ہوتی ہیں۔ ان کا موٹیو یہ نہیں ہوتا کہ ”گزر زمانہ باتو نہ سازد، تو بازمانہ ستیز“، یعنی اگر گزر زمانہ تمہارے ساتھ نباہ نہیں کرتا تو تم زمانے کے آگے سہرا انداز ہونے کی بجائے سینہ سپر ہو جاؤ اور ٹکرا جاؤ، بلکہ ان کا موٹیو یہ ہوتا ہے: ”گزر زمانہ باتو نہ سازد، تو بازمانہ بساز“، یعنی اگر گزر زمانہ تمہارے ساتھ نباہ نہیں کرتا یا تمہارے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا یا تم سے مفاہمت نہیں کرتا تو تم اپنے مفادات کو قربان کر کے اُس سے ٹکرانے کی بجائے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اُس کے آگے سرنگوں ہو جاؤ اور اُس سے مفاہمت کر لو۔ اصل مقصد اصول پسندی نہیں بلکہ مطلب براری ہونا چاہیے، اسی کو





ہمارے اردو محاورے میں کہا جاتا ہے: ”ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنالیا جاتا ہے۔“

لہذا آج مراعات یافتہ اور مفاد پرست طبقے کو اقتدار کی بساط الٰہی نظر آئے تو اُن کی سیاسی قوت شامہ (Smelling Sense) بڑی تیز ہوتی ہے، وہ ہوا کے رُخ کو تہدیلی سے پہلے سونگھ لیتے ہیں، اصول پرستی کا روگ نہیں پالتے، بلکہ ہوا کے رُخ پر اُس سے بھی آگے چل پڑتے ہیں، اسی کو ہماری سیاسی زبان میں ”فلور کراسنگ“ کہتے ہیں۔ تحریک پاکستان کامیاب ہوتی نظر آئی تو پنجاب کی یونیٹ پارٹی نے اپنے آپ کو تحلیل کر کے مسلم لیگ میں شامل ہونے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگائی اور مذمت کے نعرے اُن واحد میں ستائش میں تبدیل ہو گئے اور نیا نعرہ لگا:

ابھی ابھی خبر آئی ہے      خضر ہمارا بھائی ہے

اس سے ملتا جلتا عربی زبان کا ایک لفظ ”بَدِيع“ ہے، جس کی تعریف یہ کی گئی ہے: ”پہلے سے موجود کسی مثال کے نہ ہوتے ہوئے کوئی نئی چیز، نئی روش یا نیا شعار ایجاد کرنا۔“ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد قرن اول میں اس کی بہترین مثال امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شعار خلافت یا طرز حکومت ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اکابر صحابہ کرام کو اپنی مجلس شوریٰ میں شامل کیا اور اہل الرائے کی مشاورت سے نظام حکومت چلانے کی بنیاد ڈالی۔ سرکاری خزانے میں آنے والے مال کے لیے انہوں نے یہ شرط لگائی: حق کے ساتھ لیا جائے اور حق کے مطابق دیا جائے اور لینے اور دینے میں باطل کو ممنوع قرار دیا جائے، میں کسی کو کسی پر ظلم کرنے نہیں دوں گا یہاں تک کہ ظالم حق کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ انہوں نے کہا: ریاست کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جیسے ایک یتیم کے مال میں اُس کے سر پرست کا ہوتا ہے کہ اگر میں خود کفیل ہوں تو بیت المال سے اپنی ذات پر کچھ بھی خرچ نہ کروں اور اگر میں ضرورت مند ہوں تو صرف بقدر ضرورت صرف کروں۔ انہوں نے کہا: عدل ریاست کی ذمہ داری ہے اور سنت رسول ہے۔ قاضی کے سامنے پیش ہونے والے فریقین (مدعی و مدعی علیہ) کے ساتھ یکساں سلوک ہو، کمزور اپنے آپ کو بے سہارا محسوس نہ کرے اور طاقت ور بے جارعیات کی امید نہ لگائے۔ ہر دعوے کا بار ثبوت مدعی پر ہے اور دعوے کو رد کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔ فریقین میں صلح جائز ہے، مگر جو صلح حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے، کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ قاضی پیش آمدہ مسئلے کے حل کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرے اور کتاب و سنت میں حل نہ ملے تو پہلے سے موجود عدالتی نظائر پر قیاس کرے۔ اگر فیصلہ صادر کرنے کے بعد قاضی کو شرح صدر ہو جائے کہ فیصلہ درست نہیں ہوا، تو اُس سے رجوع کر لے۔ جب وہ فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس گئے اور ایک پہاڑی چوٹی پر کھڑے ہو کر ارد گرد نظر دوڑائی۔ انہیں ہر سولہا ہاتھ ہوئے کھیت اور باغات نظر آئے، انہوں نے محسوس کیا کہ دولت کی افراط قوموں کے کردار کو تباہ کر دیتی ہے۔ انہوں نے قوم فرعون کے عبرت ناک انجام کے بارے میں قرآن مجید کی یہ سبق آموز آیات پڑھیں: ”وہ کہتے ہی (دلکش) باغات اور (میٹھے پانی کے) چشمے، (لہلہاتے ہوئے) کھیت اور عالی شان محلات اور ناز و نعم کے اسباب، جن میں وہ مجوس تھے، چھوڑ گئے، ایسا ہی ہوا اور ہم نے دوسروں کو اُن کا وارث بنا دیا۔ سو اُن کی بربادی پر نہ (چشم) فلک روئی اور نہ ہی زمین اور (مکافات عمل کا وقت آیا تو) انہیں کوئی مہلت بھی نہ ملی، (الدخان: 25-29)۔“ پس معلوم ہوا کہ مثالی حکمران وہی ہوتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنا لیتے ہیں اور اُن کے بعد بھی دنیا انہیں چھلکتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یاد کرتی ہے۔